مقالات

توحید کے عمومی دلائل

از جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

دلائل آفاق

یہ دنیا جو ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلی ہوئی ہے، مختلف پہلوؤں سے، نہ صرف ایک علت العلل پر بلکہ ایک ایسے معبود حقیقی پر شاہد ہے جو تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے۔ اور اس شہادت کی بنیاد ایسے امور پر ہے جن کا ہم خارج میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور جن کے بارے میں ہماری عقل اور ہماری فطرت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم ان کو کسی ایسی ذات کی طرف منسوب کریں جو ان کی مصدر ہو سکے۔ ان امور کو قرآن کی زبان میں آیات اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہم اس مضمون میں بقدرِ ضرورت ان کی شرح کریں گے۔

۱۔ کائنات کا حُسن و جمال

سب سے پہلی چیز جو ہماری نظر کو متوجہ کرتی ہے وہ حسن و جمال ہے جو اس کائنات کے ہر گوشہ میں جلوہ آرا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا کی کوئی چیز بھی سادہ اور بے رنگ نہیں ہے۔ آسمان سے لے کر زمین تک کوئی چپہ ایسا نہیں ہے جہاں سے انسان غافل و بے پروا گذر سکے۔ ہر جگہ اس کے دل کو کھینچنے، اس کی آنکھوں کو بیدار کرنے اور اس کے کانوں کو کھولنے کے لیے دلفریب مناظر، بے حجاب جلوے اور شیریں نغمے موجود ہیں۔ اور ساتھ ہی انسان کے اندر حسن کا نہایت گہرا احساس ودیعت کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے جب وہ اپنے اردگرد حسن و جمال کے یہ بوقلموں جلوے دیکھتا ہے دفعتہً اس کے اندر اس کے صانع کے متعلق سوال پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ یہ تصور کرنے سے بالکل قاصر ہے کہ اتنی دلفریبیوں سے معمور یہ دنیا خود بخود وجود میں آگئی اور اگر اس پر حیوانی بلادت کا غلبہ نہیں ہوتا تو وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے:

تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ — بڑا ہی خیر و برکت والا ہے اللہ جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔

یعنی صرف یہی احساس نہیں پیدا ہوتا کہ اس کائنات کا ایک خالق (Designer) ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ بہترین خالق ہے، یکسر خیر و برکت ہے۔ اس نے جو چیز بھی بنائی ہے وہ کمال قدرت، کمال صنعت اور کمال خیر و برکت کا نمونہ ہے۔ اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ۔ جس نے جو چیز بھی بنائی خوب بنائی۔

ظاہر ہے کہ دنیا اپنے بقا کے لیے ان تمام زنگا رنگ حسن آرائیوں کی محتاج نہ تھی۔ ممکن تھا کہ یہ زمین ہوتی لیکن اس میں یہ باغ و چمن، یہ نشیب و فراز، یہ وادی و کہسار نہ ہوتے۔ ممکن تھا کہ یہ فضا ہوتی لیکن اس میں نسیم کے جھونکے اور چڑیوں کے چہچہے نہ ہوتے۔ ممکن تھا کہ یہ آسمان ہوتا مگر یہ ستاروں کی بزم آرائیاں، شفق کی جلوہ کاریاں اور قوس قزح کی زنگا رنگیاں نہ ہوتیں لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دنیا ان تمام جلووں سے معمور ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ یہ اس لیے ہے کہ انسان کی حس باطن کو بیدار کرے اور اس میں یہ بصیرت پیدا ہو کہ ایسی حسین و جمیل دنیا بغیر کسی خالق کے وجود میں نہیں آسکتی اور وہ خالق صرف خالق ہی نہیں ہے بلکہ کمال قدرت، کمال صنعت و حکمت اور کمال خیر و برکت

کی صفات سے متصف ہے۔

أَفَلَمْ يَنظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ ‎۔ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ‎۔ تَبْصِرَةً وَذِكْرَىٰ لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ‎۔

کیا انھوں نے اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا کیسا ہم نے اس کو بلند کیا اور سجایا اور کہیں اس میں دراڑ نہیں۔ اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں لنگر انداز کر دیے پہاڑ اور اگائیں اس میں ہر قسم کی خوش منظر چیزیں بصیرت اور یاددہانی پیدا کرنے کے لیے ہر متوجہ ہونے والے بندے کے دل میں۔

یعنی یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص آسمان و زمین کے ان جلوؤں کو دیکھے اور یوں ہی گذر جائے۔ اگر آنکھیں کھلی ہوئی ہوں تو اس دنیا کا مشاہدہ خود بخود انسان میں خدا اور اس کی صفاتِ حسنیٰ کا یقین پیدا کرتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف سورہ واقعہ کی اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے:

أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ‎۔ أَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ‎۔ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ

بھلا دیکھو تو اس آگ کو جس کو سُلگاتے ہو۔ کیا تم نے اس کے درخت کو اگایا ہے یا ہم اس کے اُگانے والے ہیں۔ ہم نے اس کو بنایا ہے یاددہانی اور فائدہ اٹھانے کی چیز مسافروں کے لیے۔

آیت کا آخری حصہ خصوصیت کے ساتھ لائق توجہ ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دنیا کی چیزیں صرف ہماری کسی مادی ضرورت ہی کو نہیں پورا کرتیں، بلکہ ان میں سے ہر ایک کی تخلیق میں حسن و خوبروئی اور کمال صنعت کی ایسی نمود ہے کہ وہ آپ سے آپ ایک اعلیٰ و برتر حقیقت پر ایمان لانے کے لیے متنبہ بھی کرتی ہے اور یہ متنبہ کرنا محض ان کا ضمنی مقصد نہیں ہے بلکہ ان کا اصلی وظیفہ یہی ہے۔ چنانچہ آیت میں "تذکرۃ" کا لفظ "متاع" کے لفظ پر مقدم ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا اصلی مقصد یاددہانی ہے۔ سامان معیشت ہونا ایک مزید فائدہ ہے۔ جن لوگوں کی حسِ باطن بیدار ہوتی ہے ان کو اشیاء کا یہی پہلو سب سے زیادہ روشن نظر آتا ہے لیکن جن کی فطرت مسخ ہو جاتی ہے اور بطن و فرج کی لذت کے سوا ان کے سامنے کوئی اور اعلیٰ مقصد نہیں رہ جاتا، ان کی آنکھیں، خوردبینوں اور دوربینوں سے مسلح ہونے کے باوجود، اسی حقیقت کو دیکھنے سے قاصر رہ جاتی ہیں جو فی الحقیقت ہر شے کے اندر سب سے زیادہ اُبھری ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن نے ایسے لوگوں کو چوپایوں سے تشبیہ دی ہے اور ان کی نسبت فرمایا ہے کہ ان کے کان ہیں لیکن سنتے نہیں، آنکھیں ہیں لیکن دیکھتے نہیں، دل ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔

یہ زنگارنگ جلوے، جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، صرف ایک علت العلل کی شہادت نہیں دیتے۔ بلکہ ایک ایسے خالق کی شہادت دیتے ہیں جو صفاتِ جمال و کمال سے متصف ہے۔ کیونکہ ہم صرف یہی نہیں دیکھتے کہ یہ دنیا بنی ہے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ جو چیز بنی ہے خوب بنی ہے، جس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ کامل ہے، حکیم ہے، قدیر ہے، علیم ہے، مہربان ہے، کریم ہے۔ اس نے ہمیں جیسا تیسا پیدا ہی نہیں کر دیا ہے بلکہ بہترین ساخت پر، بہترین قویٰ اور قابلیتوں کے ساتھ پیدا کیا (لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ)۔ نیز فرمایا (يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ)۔ اس نے پیٹ بھرنے کے لیے ہمیں صرف غلہ ہی نہیں دیا بلکہ لطف اندوزی کے لیے پھل اور طرح طرح کے میوے بھی پیدا کیے۔ اور مشام نوازی اور نظر بازی کے لیے پھول بھی کھلائے اور چمن بھی اُگائے۔ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ‎۔ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ‎۔ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ‎۔ (اور زمین کو بنایا مخلوق کے لیے، اس میں میوے ہیں اور کھجوریں غلاف دار، اور اناج ہیں بھس والے اور پھول ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ صرف خلق نہیں بلکہ کمال خلق اور کمال قدرت ہے۔ صرف بخشنا نہیں بلکہ کرم و بخشش اور رحمت و عنایت کے ساتھ بخشنا ہے۔

صرف زندہ رکھنا نہیں ہے بلکہ اس طرح پالنا ہے جو کمال ربوبیت و پروردگاری کی شان ہے۔

یہ وہ نتیجہ ہے جو اس کائنات کے اجزاء کے حسن و جمال کے مشاہدے سے ہمارے سامنے آتا ہے لیکن جب ہم ان اجزاء کے انفرادی وجود سے گذر کر ان سے ترکیب پائی ہوئی اس حسین وحدت یعنی اس مجموعی دنیا کے حسن و جمال کو دیکھتے ہیں تو ہم پر ایک اور حقیقت روشن ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ اس کائنات کا خالق و مدبر ایک ہی ہے، کوئی اور اس کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ یہ کائنات آسمان سے لے کر زمین تک ایک سجی سجائی بزم ہے جس کی ہر چیز اپنی جگہ سے مجموعہ کے حسن و جمال میں اضافہ کر رہی ہے جس طرح ہم ایک حسین، متناسب الاعضاء اور خوبصورت چیز کو دیکھتے ہیں تو لازماً اس سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ ایک ہی خوش ذوق اور کارفرما ہاتھ کی کاریگری کا کرشمہ ہے، اگر اس کے مختلف اعضاء و اجزاء کی تشکیل مختلف کاریگروں کے مختلف ارادوں کے ماتحت عمل میں آتی تو یہ تناسب اور یہ حسن و جمال اس میں پیدا نہ ہو سکتا اسی طرح اس مجموعی دنیا کے حسن و جمال کا جو شخص مشاہدہ کرتا ہے وہ لازماً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ صرف ایک ہی کی پسند اور ایک ہی کا ارادہ ہے جو ان تمام رنگا رنگیوں کے اندر کارفرما ہے۔ اگر مختلف پسندیں اور مختلف ارادے اس کے اندر کارفرما ہوتے تو اولاً تو اس کا قیام ہی ناممکن تھا اور اگر اس کا قیام فرض بھی کر لیا جائے تو یہ ایک آراستہ بزم کی جگہ ایک مال گودام بلکہ کسی کباڑیے کی دوکان کی شکل میں ہوتی اور ایک حسین وحدت کی جگہ ہم اس کو نہایت بھیانک صورت میں دیکھتے جہاں ہر چیز بے قرینہ، بے ربط، اور بے جوڑ ہوتی کیونکہ مختلف ارادوں اور مذاقوں کے تصادم کے ساتھ تناسب کا وجود محال ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کی طرف اس کثرت کے ساتھ توجہ دلائی ہے کہ اس کے شواہد نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲۔ کائنات کے مختلف اجزا کا باہمی توافق۔

دوسرا اہم اور قابلِ توجہ پہلو اس کائنات کے مختلف اجزاء کا باہمی توافق (Harmony) اور ان کی باہمی سازگاری ہے۔ اس دنیا کے مختلف اجزا میں، جو باہم ایک دوسرے سے ضدین کی نسبت رکھتے ہیں، اسی طرح کی سازگاری اور موافقت پائی جاتی ہے جس طرح کی سازگاری اور موافقت ہم زوجین میں دیکھتے ہیں۔ ایک عورت اپنے ظاہر و باطن میں مرد سے بالکل مختلف حالت رکھتی ہے اسی طرح ایک مرد عورت سے بالکل مختلف خصوصیات و صفات کا حامل ہے تاہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ جیسا شدید روحانی و جسمانی اتصال رکھتے ہیں وہ ظاہر ہے۔ عورت کے پاس جو کچھ ہے وہ نہ صرف یہ کہ مرد کو مطلوب و مرغوب ہے بلکہ اگر عورت نہ ہو تو مرد کی ہستی اور اس کی قوتوں اور قابلیتوں کا بڑا حصہ بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مرد کے پاس جو کچھ ہے وہ عورت کے دواعی اور مقتضیات کا گویا جواب ہے۔ یہاں تک کہ اگر مرد کو معدوم فرض کر لیا جائے تو عورت کی خصوصیات و صفات کی سرے سے توجیہ ہی ناممکن ہو جاتی ہے۔ ٹھیک یہی حال اس کائنات کے تمام اجزائے مختلفہ کا ہے۔ زمین و آسمان، شب و روز، گرمی و سردی، نور و ظلمت، حرارت و برودت سب زوجین کا سا اختلاف اور سب باہمی کا سا شدید اتصال رکھتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ عورت و مرد میں سے جس طرح ایک کا تنہا وجود بے غایت ہے اسی طرح ان تمام اجزائے مختلفہ میں سے ہر چیز اپنے جوڑے کے بغیر بالکل بے مقصد ہو جاتی ہے۔ کوئی چیز اپنے مقصد کو پورا ہی اس وقت کرتی ہے جب وہ اپنے جوڑے سے ملتی ہے۔

توافق کا یہ پہلو ہم صرف ضدین ہی میں نہیں پاتے۔ بلکہ اس کائنات کے نظام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک ہمہ گیر توافق اور سازگاری ہے۔ ہر چیز اپنی ہستی کے بقاء اور اپنے وجود کی نشو و نما کے لیے اس بات کی محتاج ہے کہ یہ پورا کارخانہ اس کے لیے سرگرم کار رہے۔ گیہوں کا ایک پودا وجود میں آکر اس وقت تک اپنے کمال کو نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کائنات کے تمام عناصر اس کی پرورش اور نگہداشت میں اپنا اپنا حصہ پورا نہ کریں۔ زمین اس کے لیے گہوارہ مہیا کرے، ابر اس کے لیے رطوبت

فراہم کرے، سورج اس کو گرم رکھے، شبنم اس کو ٹھنڈک پہنچائے، ہوائیں اس کو لوریاں دیں جب یہ سب کچھ ایک خاص ضبط و نظم کے ساتھ ہولے تب کہیں جا کر گیہوں کا ایک دانہ کھیت سے خرمن تک پہنچتا ہے۔ اور یہی حال اس دنیا کی ایک ایک چیز کا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس کائنات کا ارتقاء آپ سے آپ ہو رہا ہے یا اس کے پیچھے ایک مدبر ہستی (Mind) ہے جو ان تمام اجزائے مختلفہ کے اندر توافق و سازگاری پیدا کرتی اور ان کو پروان چڑھاتی ہے؟ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ یہ دنیا ایک اتفاقی واقعہ (Acci-dent) ہے، آپ سے آپ وجود میں آگئی اور اس کے مختلف اجزا کا ارتقاء بھی آپ سے آپ ہو رہا ہے تو کیا اس کے اجزائے مختلفہ کے اندر توافق و سازگاری کا پیدا ہونا بھی اتفاقی ہے؟ کیا کوئی عاقل ایک لمحہ کے لیے بھی باور کر سکتا ہے کہ ہوا، پانی، آگ، مٹی، دریا، پہاڑ، سورج، چاند، چرند و پرند سب اتفاقی حوادث کے طور پر ظہور میں آئے، ہر ایک کا بطور خود ارتقاء ہوا، پھر بالکل اتفاق سے ان میں یہ حیرت انگیز توافق پیدا ہو گیا اور پھر بالکل اتفاق ہی سے یہ سب انسان کے لیے نہ صرف سازگار بلکہ اس کے خدمت گزار بن گئے۔ کیا عقل انسانی اس قسم کے حیرت انگیز اتفاقات کو ایک لمحہ کے لیے بھی تسلیم کر سکتی ہے!

یہ صورتِ حال اس امر کا نہایت قوی ثبوت ہے کہ اس کائنات کے پیچھے ایک حکیم و قوی ارادہ ہے جو اس کو وجود میں لایا ہے اور جو علم و قدرت اور ربوبیت و حکمت کی تمام صفات سے متصف ہے۔ وہی ہے جو اپنے علم و حکمت سے اس کے اجزائے مختلفہ میں ربط و اتصال پیدا کرتا اور ان کو صالح مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس امر کی بھی شہادت مل رہی ہے کہ آسمان سے لے کر زمین تک اور زمین و آسمان کے درمیان صرف ایک ہی ہے جو مالک و متصرف ہے۔ کوئی دوسرا ارادہ اس کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ اگر آسمان و زمین کے الگ الگ مدبر و ناظم ہوتے، یا بہت سے ارادوں کی کارفرمائی ہوتی، یا خیر و شر اور نور و ظلمت کے الگ الگ خدا ہوتے تو کائنات کے ان مختلف اجزا میں یہ زوجین کا سا توافق اور ربط نہ ہوتا جو ہم اس دنیا کے ہر گوشہ میں مشاہدہ کر رہے ہیں۔ قرآن نے اس دلیل کو مختلف اسلوبوں اور طریقوں سے مختلف مقامات میں بیان فرمایا ہے۔ ہم بطور مثال صرف چند آیات پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

یہ دلیل نہایت اختصار کے ساتھ سورۂ ذاریات میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

وَمِن كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ - (۴۹-۵۱)

اور ہم نے ہر چیز میں سے پیدا کیے جوڑے تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو، پس اللہ کی طرف بھاگو میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو شریک مت بناؤ۔ میں تمہارے لیے اس کی طرف سے کھلا ہوا ڈرانے والا ہوں۔

یہاں ہر چیز کے جوڑا جوڑا ہونے سے معاد اور توحید دونوں پر استدلال کیا ہے۔ معاد پر استدلال یہاں زیر بحث نہیں ہے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ ہمارے رسالہ 'حقیقت معاد' میں آئے گی۔ توحید پر استدلال کی تفصیل یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز جوڑے جوڑے کی شکل میں پیدا ہوئی ہے اور ہر چیز اپنے جوڑے سے مل کر ہی اپنی غایت پوری کرتی ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ اس کائنات کا وجود و بقا اس کے اضداد کے توافق و سازگاری سے ہے۔ اور اس سے بدیہی طور پر یہ بات نکلتی ہے کہ ان کا خالق و مدبر ایک ہی ہے۔ جو ان کے اختلاف کے باوجود ان میں ربط و اتصال پیدا کر کے ان سے صالح نتائج پیدا کرتا ہے۔ پس یہ اختلاف جو ہم اس کائنات میں مشاہدہ کر رہے ہیں محض ظاہر کا اختلاف ہے اور ہرگز اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کے اندر مختلف ارادے کار فرما ہیں۔ ان اجزائے مختلفہ کا باہمی توافق اس امر کی نہایت کھلی ہوئی شہادت ہے کہ صرف ایک ہی ہے جس کے تحت تصرف اس کائنات کے تمام اجزا اپنے اپنے مقصد

کو پورا کر رہے ہیں۔ اس دلیل کی تفصیل سورہ بقرہ میں ان الفاظ میں کی گئی ہے :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ (۲۱ - ۲۵ بقرہ)

اے لوگو! اپنے اس مالک کی پیروی کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور ان کو بھی جو تم سے پہلے تھے تاکہ اس کے عذاب سے محفوظ رہو جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور آسمان کو چھت اور اُتارا آسمان سے پانی اور اس سے پیدا کیے پھل تمھاری روزی کے لیے۔ پس اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ درآں حالیکہ تم جانتے ہو۔

یعنی جو انسان اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ زمین و آسمان اس توافق و ہم آہنگی کے ساتھ اس کی خدمت میں سرگرم ہیں۔ زمین اس کے لیے بستر کی طرح بچھی ہوئی ہے اور آسمان شامیانہ بن کر تنا ہوا ہے۔ پھر آسمان سے پانی برستا ہے اور زمین اس سے اپنے پھل پیدا کرتی ہے اور وہ پھل انسان کے لیے لذت اور بقائے زندگی کا وسیلہ بنتے ہیں۔ وہ انسان یہ کیسے تصور کر سکتا ہے کہ آسمان کے دیوتا الگ ہیں، اور زمین کے دیوتا الگ ہیں۔ بارش کوئی لاتا ہے اور پھل کوئی پیدا کرتا ہے۔ ان اضداد اور عناصر مختلفہ کی یہ سازگاری تو اسی وقت ممکن ہے جب ان سب کو ایک ہی کارفرما اور مدبر قوت حکمت و رحمت کے ساتھ ایک خاص مقصد کے لیے تصرف میں لائے۔ یہی دلیل ذرا اور پھیلاؤ کے ساتھ دوسری جگہ بیان ہوئی ہے :

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ. إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (بقرہ)

اور تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے، نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ، رحمٰن اور رحیم۔ آسمانوں اور زمین کی خلقت، روز و شب کی آمد و شد، اور کشتی میں جو لوگوں کے لیے سمندر میں نافع چیزوں سے کر چلتی ہے اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا اور اس سے زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کیا اور اس میں ہر طرح کے جاندار پھیلائے اور ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں، دلیلیں ہیں (توحید کی) سمجھنے والوں کے لیے۔

سورہ نحل میں اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اس کائنات کی ہم آہنگی کو واضح فرمایا ہے :

وَاللَّهُ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ وَمِن ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَ

اور اللہ نے اُتارا آسمان سے پانی اور اس سے زندہ کیا زمین کو اس کے مر جانے کے بعد۔ بے شک اس کے اندر ایک دلیل ہے ان لوگوں کے لیے جو سنیں۔ اور تمھارے لیے چوپایوں کے اندر بھی غور کرنے کی جگہ ہے ہم تم کو پلاتے ہیں ان چیزوں کے اندر سے جو ان کے پیٹوں کے اندر ہیں گوبر اور خون کے درمیان خالص دودھ پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار، اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم تیار کرتے ہو نشہ اور اچھی روزی بے شک اس کے اندر ایک دلیل ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھیں

مِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ بنا پہاڑوں کے اندر چھتے اور درختوں میں اور ان میں جن کو ٹٹیوں پر چڑھاتے ہیں پھر پھل پھل کا رس چوس اور چل اپنے رب کی ٹھیرائی ہوئی راہوں میں اطاعت کے ساتھ نکلتی ہے اس کے پیٹ سے پینے کی چیز جس کے رنگ مختلف اور جس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ بے شک اس کے اندر ایک دلیل ہے ان لوگوں کے لیے جو غور کریں۔

ان آیات میں اس عالم کی ہمہ گیر ہم آہنگی کی طرف اشارات ہیں۔ بادلوں سے پانی برستا ہے۔ اس سے زمین لہلہا اٹھتی ہے۔ اس کی نباتات کو چوپائے چرتے ہیں۔ اس سے ان کے اندر دودھ بنتا ہے۔ آلائشوں اور خون کے اندر سے نہایت سفید دودھ کی دھاریں نکلتی ہیں اور یہ دودھ پینے والوں کے لیے نہایت لذیذ اور قوت بخش غذا کا کام دیتا ہے۔ پھر اسی بارش کے پرورش کیے ہوئے انگور اور کھجور کے پھلوں سے انسان اپنی لذت اور ضرورت کی طرح طرح کی چیزیں پیدا کر لیتا ہے۔ پھر شہد کی مکھیاں ہیں جو پہاڑوں کی بلندیوں پر، درختوں کی شاخوں پر، انگور کی ٹٹیوں میں اپنا چھتہ بنا لیتی ہیں، پھول پھول کا رس چوس کر ان کو جمع کرتی ہیں جن کے رنگ بھی مختلف اور مزے بھی مختلف۔ انسان ان کو پیتا ہے۔ ان سے لذت بھی حاصل کرتا ہے اور بیماریوں میں شفا بھی۔ ان مناظر کو جو شخص بھی دیدۂ عبرت سے دیکھے گا کس طرح باور کر سکتا ہے کہ یہ دنیا اور اس کے یہ تمام حیرت انگیز مظاہر بالکل ایک اتفاقی حادثے کے طور پر ظہور میں آ گئے ہیں۔ یا یہ کہ یہ آسمان و زمین اور ان کے مختلف جلوے مختلف دیوتاؤں کی کارفرمائیوں کے کرشمے ہیں۔ جس دنیا کے اندر اتنے گہرے رشتے ہیں اور جو کائنات اپنے متضاد اجزاء کی کشاکشوں کے اندر توافق و سازگاری کے اتنے پہلو رکھتی ہے وہ نہ تو ایک اتفاقی واقعہ ہو سکتی، نہ مختلف ارادوں کی رزمگاہ ہو سکتی ہے۔ ظاہر بین نگاہیں صرف موجوں کے تلاطم کو دیکھتی ہیں۔ موجوں کے اندر کے صدف اور صدف کے اندر پرورش پانے والے گہر تک ان کی رسائی نہیں ہوتی اور یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف قرآن مجید بار بار توجہ دلاتا ہے کہ اس کائنات کے صرف اضداد کو نہ دیکھو بلکہ ان صالح نتائج کو دیکھو جو ان اضداد کی کشاکش کے اندر پیدا ہو رہے ہیں اور اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ ایک ہی حکیم ہاتھ اس تمام کائنات پر متصرف ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَاۗىِٕغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ۔ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى۔ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ (فاطر۔)

اور دونوں دریا یکساں نہیں ہیں، ایک شیریں اور پینے کے لیے خوشگوار ہے اور دوسرا کھاری اور کڑوا ہے اور تم دونوں میں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور پہننے کے لیے زیور نکالتے ہو اور تم دیکھتے ہو کشتیوں کو ان میں پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل تلاش کر سکو اور تاکہ اس کی شکر گزاری کرو۔ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں اور مسخر کیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک ایک وقت مقرر تک کے لیے چلتا ہے۔ وہی اللہ تمھارا رب ہے اسی کے ہاتھ میں بادشاہی ہے۔

کھاری پانی کے ایک سمندر اور شیریں پانی کے ایک دریا میں کتنا کھلا ہوا تفاوت ہے تاہم دیکھو، یہ دونوں کس طرح ایک مشترک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ کس طرح ان دونوں سے انسان اپنے لیے غذا کا ذخیرہ حاصل کر لیتا ہے، کس طرح ان دونوں سے اپنی زینت و آرائش

کے لیے موتی حاصل کر لیتا ہے۔ پھر کس طرح یہ جہاز رانی اور تجارت کے نہایت آسان ذرائع فراہم کرتے ہیں! پھر شب کی ظلمت اور دن کے نور پر غور کرو۔ دونوں اپنی صفات و خصوصیات میں کس قدر ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہیں۔ لیکن ایک دوسرے کی ضد ہونے کے باوجود، پوری ہم آہنگی اور سازگاری کے ساتھ ایک دایہ کی طرح اس کائنات کی پرورش اور اس کے اندر بسنے والے حیوانوں، انسانوں اور نباتات کی خدمت میں سرگرم ہیں۔ سورج دن میں طلوع ہوتا ہے اور گرمی اور دھوپ کا سرچشمہ ہے، چاند شب میں نمودار ہوتا ہے اور روشنی اور خنکی کا منبع ہے۔ بظاہر دونوں ایک دوسرے سے کس قدر مختلف ہیں لیکن دیکھتے ہو کہ اس دنیا کا ایک ایک وجود ان سے متمتع ہو رہا ہے اور یہ انسان کو بالواسطہ اور بلاواسطہ فیض رسانی پر مامور ہیں۔ کیا یہ سب کچھ اتفاق ہے؟ کیا یہ نظم، یہ ضابطہ کی پابندی، یہ سازگاری، یہ فیض رسانی سب کچھ آپ سے آپ ہو رہی ہے؟ ان مشاہدات کے باوجود جو لوگ دنیا کے اتفاقی حدوث پر اصرار کرتے ہیں ان کا یہ اصرار محض نہ ماننے کی خواہش پر مبنی ہے۔ علم و تحقیق سے اس ذہنیت کو کچھ سروکار نہیں ہے۔

۳۔ ضد سے ضد کا وجود اسی طرح ایک اور پہلو پر غور کرو۔ اس کائنات میں ہم دیکھتے ہیں کہ ضد سے ضد کا وجود ہوتا ہے۔ سرسبز و شاداب درخت سے آگ کی چنگاریاں جھڑتی ہیں:

جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا اور سرسبز درخت سے تمھارے لیے آگ بنائی۔

موت سے زندگی پیدا ہوتی ہے اور زندگی سے موت:

مُخْرِجُ الْحَيِّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۔ نکالنے والا ہے زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے وہی اللہ ہے تو کہاں بھٹکے جاتے ہو۔

ظاہر ہے کہ علت و معلول کے عام قانون سے یہ شے بالاتر ہے اور پیدائش کا وہ معروف ضابطہ جس پر ہم کو اس درجہ اعتماد ہے کہ اس کی ادنیٰ خلاف ورزی کا بھی ہم تصور نہیں کر سکتے، یہاں آکر بالکل ٹوٹ جاتا ہے۔ کیا یہ اس امر کا نہایت واضح ثبوت نہیں ہے کہ کوئی ہستی، ان تمام ضوابط سے بالاتر بھی ہے جو ان سب پر اپنی قدرت کاملہ سے تصرف کرتی رہتی ہے اور اضداد سے اضداد کو وجود میں لاتی اور ان کو اپنی مخلوقات کے لیے نافع بناتی ہے؟ جو لوگ اس کائنات کو محض علت و معلول کے اندھے بہرے قواعد کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اس روشنی میں اس کی توجیہ کرنا چاہتے ہیں وہ موت سے زندگی اور زندگی سے موت کے پیدا ہونے کی کیا توجیہ کریں گے! اور ہرے بھرے درخت سے تر و تازہ پھلوں کی جگہ آگ کے شرارے جھڑنے کی کیا تعلیل کریں گے؟ کیا علت و معلول کا عام ضابطہ یہی چاہتا ہے کہ ضد سے ضد پیدا ہو؟ اگر ایسا نہیں ہے تو لازماً ایک ایسی ہستی کا اقرار کرنا پڑتا ہے جو ان تمام سنن طبعی پر حاکم و متصرف ہے۔

۴۔ متحدات سے مختلفات کا وجود اسی سے ملتی جلتی ہوئی اور حقیقت بھی ہے۔ ہم اس کائنات میں دیکھتے ہیں کہ متحدات سے مختلفات کا وجود ہوتا ہے۔ سائنس کا دعویٰ ہے کہ یہ کائنات اپنے آغاز میں بسیط ہے، پھر درجہ بدرجہ اس کے اجزا میں تنوع پیدا ہوتا ہے اور وہ بڑھتا جاتا ہے۔ یہ اگر سچ ہے اور اس کی سچائی سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کوئی تفریق و تقسیم کرنے والا ہے جو ایک کو دو اور دو کو چار کرتا ہے۔ اور یہیں سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ یہ مظاہر کا تنوع آلہہ کے تعدد و تنوع کی دلیل نہیں ہے۔ زمین ایک ہی ہے، پانی ایک ہی ہے، ہوائیں بھی ایک ہی طرح کی چلتی ہیں، تاہم نباتات بے شمار قسم کی اگتی ہیں، پھولوں کے رنگ رنگ قسم کے ہوتے ہیں، پھلوں کی شکل و صورت، ان کی تعداد، ان کے رنگ و بو، ہر چیز کے اندر تفاوت ہوتا ہے۔ ایک ہی گٹھلی سے کبھی ایک

سے زیادہ انکھوے نکلتے ہیں اور ان سے متعدد تنے اور شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں اور کبھی ایک ہی انکھوا نکلتا ہے اور ایک ہی تنہ پیدا ہوتا ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (رعد: ۱)

اور زمین میں پاس پاس کے ٹکڑے ہیں اور انگور کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں اکہرے اور دوہرے، ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے تاہم پھل میں ہم ایک کو دوسرے پر بڑھا دیتے ہیں۔ بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں سمجھنے والوں کے لیے۔

یعنی جس شخص میں عقل ہوگی لازماً اس سے اس کو تنبہ ہوگا اور وہ ہر چیز کے رنگ اور اس کے پھلوں اور پھولوں کے تنوعات پر غور کرے گا تو اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ کوئی خالق ہے جو کمالِ حکمت و قدرت اور کمالِ رحمت کے ساتھ تصرف فرما رہا ہے اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی اس پر واضح ہوگی کہ وہ اکیلا اور لاشریک لہ ہے کیونکہ جب ایک ہی پانی سے سیراب ہونے والے پودے اور ایک ہی قطعۂ زمین کے درختوں کے یہ سارے تنوعات ہم دیکھتے ہیں اور اس کو پانی اور زمین کے اختلاف کا نتیجہ نہیں قرار دیتے تو اس کائنات کی اس گوناگونی کو آلہہ کے تعدد کی دلیل کیوں ٹھیرائیں۔ نیز یہ بات بھی اس پر واضح ہوگی کہ یہ سارے تنوعات پیدائش کے کسی اندھے بہرے ضابطے کے کرشمے نہیں ہیں بلکہ کوئی علیم و قدیر ہستی ہے جو ہر چیز کو ایک اندازہ کے ساتھ وجود میں لاتی ہے۔ اور اپنی حکمت کے مطابق اس میں کمی بیشی کرتی رہتی ہے۔

۵۔ مظاہرِ کائنات کی تسخیر

توحید کی ایک بہت بڑی دلیل وہ مقہوریت اور انقیاد و اطاعت بھی ہے جس کے آثار ہم اس کائنات کی تمام بڑی اور شاندار مخلوقات میں پاتے ہیں۔ یہ اس بات کا نہایت قوی ثبوت ہیں کہ ان میں سے کسی چیز کی طرف بھی الوہیت کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔ الوہیت کی صفت کے ساتھ کوئی ایسی ہی ذات متصف ہے جو ان سب سے اعلیٰ اور ان سب سے برتر ہے۔ سورج، چاند، ستارے، اپنے حسن و عظمت کے باوجود، اور زمین، دریا، پہاڑ، ہوا، ابر، برق و رعد اپنی وسعت، قوت اور جلالت کے علی الرغم ایک محکم نظامِ حکمت کے ماتحت مقہور و مسخر ہیں۔ تو لازماً ان کے سوا کوئی اور ہے جو ان سب کا خالق اور ان سب پر فرماں روا ہے۔ اب غور کرو وہ کون ہے جو ان سب کا خالق اور سب پر آمر و متصرف ہے؟ اس سوال کو قرآن نے بار بار اٹھایا ہے، اور اس کا جواب مشرک عربوں کی زبان سے بھی یہی نقل کیا ہے کہ اس عالم کا خالق ایک عزیز و حکیم ہے۔ لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ (اگر تم ان سے پوچھو گے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے خلق کیا تو وہ جواب دیں گے ان کو عزیز و علیم نے بنایا ہے) کیونکہ جو شخص اس کائنات کے مظاہر پر غور کرے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ ان میں سے کسی کی طرف اس کائنات کی تخلیق کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔ اس کائنات کی خالق کوئی ایسی ہی ذات ہو سکتی ہے جو عزت و کبریائی اور علم و حکمت کی تمام صفات کے ساتھ متصف ہو۔

یہاں اس امر کو خاص طور پر پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ ان مظاہر میں سے جو جتنے ہی زیادہ شاندار ہیں ان کی پیشانی پر تذلل کا داغ اسی قدر زیادہ ابھرا ہوا نظر آتا ہے۔ دنیا نے سورج اور چاند کی سب سے زیادہ پرستش کی ہے حالانکہ ذلت و اطاعت، سجود و ہبوط، اور کسوف و خسوف کے جو آثار ہم ان میں دیکھتے ہیں دوسری کسی چیز میں بھی نہیں دیکھتے لیکن یہ انسان کی عجیب حماقت ہے کہ ان آثار کے مشاہدہ کے باوجود نہ صرف یہ کہ اس نے ان کو دیوتا بنا کر ان کی پرستش کی بلکہ اس نے ان کی ذلت کی ان علامتوں کو بھی ان کی الوہیت کے شئون و عجائب میں سے گن لیا۔

توحید کی یہ دلیل، اجمال اور تفصیل کی مختلف شکلوں میں، قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے۔ ہم صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس حجت کو

یہاں نقل کرتے ہیں جو انھوں نے اپنی قوم کے سامنے پیش کی اور ابراہیمی حسن مجادلہ کی بہترین تصویر ہے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ (انعام)

جب اس کو رات نے ڈھانک لیا اس نے ایک تارے کو دیکھا کہا یہ میرا رب ہے۔ جب وہ غروب ہو گیا کہا میں غروب ہونے والوں کو دوست نہیں رکھتا، جب چاند کو چمکتا دیکھا، کہا یہ میرا رب ہے، جب ڈوب گیا بولا اگر میرے پروردگار نے میری رہبری نہ فرمائی تو لازمًا میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔ پھر جب سورج کو چمکتا دیکھا کہا یہ میرا رب ہے یہ بڑا ہے، جب وہ بھی ڈوب گیا کہا اے میری قوم کے لوگو! میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو۔ میں نے اپنا رُخ یکسو ہو کر اس ذات کی طرف پھیرا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

۶۔ کائنات کی محکم تدبیر اسی طرح خدا کے وجود اور اس کی توحید کی ایک بہت بڑی شہادت وہ محکم اور ہمہ گیر تدبیر و نظام ہے جس کا اس کائنات کے ہر گوشہ میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایک طرف تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دنیا قوائے مختلفہ کی ایک رزمگاہ ہے، دوسری طرف یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ان قوائے مختلفہ کے اس تصادم کے اندر نہ صرف یہ کہ تمام چھوٹی بڑی مخلوقات قائم و باقی ہیں بلکہ اپنی صلاحیت و استعداد کے اعتبار سے پھل پھول رہی ہیں۔ ایک طرف یہ حال ہے کہ معلوم ہوتا ہے اس کائنات کی ہر قوت شتر بے مہار کی طرح اپنے رُخ پر بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ نہ وہ کسی نظام ظاہر کی پابند معلوم ہوتی نہ کسی برتر قوت کی محکوم و مطیع، لیکن پھر دفعتہً ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مخفی ہاتھ اس کی باگ موڑ کر ایک سمت سے دوسری سمت پر لگا دیتا ہے۔ کتنی بار ہم سن چکے ہیں کہ بعض بڑے بڑے اجرام سماویہ کسی خاص رُخ پر بڑھ چلے اور اگر اسی رُخ پر بڑھتے چلے جاتے تو لازم تھا کہ ہمارے کرۂ زمین سے ٹکرا جاتے اور یہ کرۂ زمین پاش پاش ہو کے رہ جاتا چنانچہ اسی طرح کے مشاہدات کی بنا پر کبھی کبھی بعض ماہرین فلکیات نے یہ اعلان بھی کر دیا کہ اتنی مدت کے اندر یہ زمین فلاں جرمِ سماوی سے ٹکرا جائے گی لیکن جب وہ متعین وقت آیا دفعتہً اس جرم نے اپنا رُخ اس طرح بدل دیا گویا کسی سوار نے مرکب کی باگ موڑ دی اور وہ عظیم خطرہ جو ہماری اس دُنیا کے بالکل سر پر آ گیا تھا یکایک دفع ہو گیا۔

تھی خبر گرم کہ غالبؔ کے اڑیں گے پُرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

غور کرو، یہ راکب کون ہے؟ کون ہے جو قویٰ اور عناصر اور اجرام و اجسام کی باگیں تھامے ہوئے ہے؟ جس حد تک چاہتا ہے ان کو ڈھیلا کرتا ہے اور پھر جہاں چاہتا ہے روک لیتا ہے اور اس کے بعد وہ ایک انچ بھی بڑھنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ کیا یہ محض اتفاق ہے؟ کیا یہ اندھی بہری قوتوں کی اپنی صواب دید سے سب کچھ ہو رہا ہے؟ کیا عقل بشری اور قلب انسانی کو ان جوابات سے تشفی و طمانیت مل سکتی ہے؟ قرآن اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا (الله آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ اپنی جگہ سے ٹل نہ جائیں اور اگر وہ ٹل جائیں تو کوئی

اس کے بعد ان کا تھامنے والا نہیں ہے۔ بے شک وہ نہایت حلیم اور بخشنے والا ہے) اور کون ہے جو اس جواب کی سچائی کا انکار کر سکتا ہے!

یہ وہ تدبیر و نظام ہے جو اس مادی دنیا کے قویٰ اور عناصر کے درمیان ہم دیکھتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر اگر ہم اس کائنات کے اخلاقی قویٰ کے تصادم اور اس کے احوال و نتائج پر غور کریں تو وہاں بھی ہمیں یہی قانون کارفرما نظر آتا ہے۔ ایک باطل نظریہ جنم لیتا ہے، اس نظریہ کے علمبردار پیدا ہوتے ہیں، اس پر ایک باطل نظامِ اخلاق، ایک باطل نظامِ معیشت اور ایک باطل نظامِ سیاست کے ردّے چڑھتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے غلبہ کے نیچے دب کر صالح اخلاق کے تمام عناصر دم توڑ دیں گے۔ تاہم اس نظامِ باطل کو مہلت ملتی رہتی ہے یہاں تک کہ تمام خشکی و تری میں فساد کی سیاہی چھا جاتی ہے اور اس عالم کے مصلحین اس دنیا کی از سرِ نو اصلاح سے مایوس ہونے لگتے ہیں۔ پھر دفعۃً ایک وقت آتا ہے کہ کوئی مخفی ہاتھ نمودار ہو کر اس پورے نظامِ باطل کو اس طرح جھنجوڑ دیتا ہے کہ اس کی ایک ایک اینٹ بکھر جاتی ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا (یہاں تک کہ جب انبیاء قوم کے ایمان کی طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں اور قوم کے لوگ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ان کو جھوٹ عذاب کی دھمکی دی گئی ہے، ہماری مدد آ جاتی ہے) دوسری جگہ فرمایا ہے وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (اور ہلا دیے جاتے ہیں یہاں تک کہ پکار اٹھتے ہیں انبیاء اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لاتے ہیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، آگاہ! اللہ کی مدد قریب ہے)

ان مشاہدات کے بعد کون ہے جو ایک لمحہ کے لیے بھی یہ باور کر سکے کہ یہ دنیا آپ سے آپ وجود میں آئی اور خود بخود قائم ہے یا یہ گمان کر سکے کہ یہ مختلف قویٰ اور عناصر کی ایک رزمگاہ ہے اور یہ قویٰ اور عناصر کسی بالاتر طاقت کے زیرِ نگیں نہیں ہیں۔ یا یہ خیال کر سکے کہ اس بالاتر قوت کی حاکمیت منقسم ہے یا یہ سوچ سکے کہ اس دنیا کو اس کے پیدا کرنے والے نے پیدا کر کے اندھے بھینسے کی طرح چھوڑ دیا ہے۔ اس کے اوپر کوئی بالاتر اخلاقی اصول کارفرما نہیں ہے۔

۷۔ ہر نظمِ اجتماعی کے لیے لازم ہے کہ حاکمیت غیر منقسم ہو

اس عالم کا مجرد قیام اس بات کا شاہد ہے کہ اس کا حاکم ایک ہے جس کی حاکمیت غیر منقسم ہے۔ ہم اپنی اجتماعی زندگی میں کسی سیاسی نظم کا تصور اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک حاکمیت کو کسی ایک خاص مرکز میں مرتکز نہ کریں۔ حاکمیت کی تقسیم کے ساتھ کسی محکم تنظیم اجتماعی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ تمام سیاسی تنظیمات میں جمہوریت وہ نظام ہے جس نے حاکمیت کو ایک وسیع دائرہ میں پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ تاہم اس میں بھی ایک ایسا نقطہ لازماً تسلیم کرنا پڑتا ہے جہاں اس کی پھیلی ہوئی حاکمیت سمٹتی اور مجتمع ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کا تاراج اور انارکی کے طوفان میں منتشر ہو جانا لازمی ہے۔ بہرحال یہ امر بالکل قطعی ہے کہ حاکمیت کی تقسیم کے ساتھ کسی اجتماعی تنظیم کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اب غور کرو کہ یہ دنیا اتنے بے شمار اجزاء پر مشتمل ہونے کے باوجود نہ صرف قائم ہے بلکہ پوری قوت و استحکام کے ساتھ قائم ہے۔ اس میں مختلف قویٰ کا تصادم بھی ہے، اضداد کی آویزشیں بھی ہیں، خیر و شر کے معرکے بھی ہیں لیکن اس دنیا کی کشتی ہے کہ ان موجوں کے تلاطم کے اندر بچتی سنبھلتی اچھلتی اور کتراتی ہوئی چلی جا رہی ہے، اور اس خوبی اور صفائی کے ساتھ کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اس صورتِ حال کا مشاہدہ ہم میں سے ہر وہ شخص کر رہا ہے جو اس پادشاہی کے نظام پر غور کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کونسی بات عقل سے قریب تر ہے؟ کیا مشرکین کا یہ عقیدہ کہ آسمان و زمین کے معبود الگ الگ ہیں یا یہ حقیقت کہ ایک ہی ہے جو آسمانوں کا بھی خدا ہے اور زمین کا بھی؟ کیا اس کائنات سے اس بات کی شہادت مل رہی ہے کہ نور و ظلمت کے الگ الگ الٰہ ہیں یا اس بات کی کہ روشنی اور تاریکی دونوں کا نکالنے والا ایک ہی ہے؟ کیا یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ یہ دنیا بے شمار دیوتاؤں کی ایک رزمگاہ ہے یا یہ بات نظر آتی ہے کہ اس سارے

نظام کا ناظم و مدبر صرف اللہ واحد و قہار ہے؟ اگر دوسرا پہلو صحیح ہے تو یہ شیرازہ بکھر کیوں نہیں جاتا؟ یہ نظام درہم برہم کیوں نہیں ہو جاتا؟ عرش والے کے خلاف بغاوت کیوں نہیں پھوٹ پڑتی؟ حاکمیت کے ایسے تشتت و انتشار کے ساتھ یہ وحدت قائم کیونکر ہے؟ یہی حقیقت ہے جو قرآن حکیم نے عربوں کے سامنے اور ان تمام مشرک قوموں کے سامنے پیش کی ہے جو اس کائنات میں کسی نہ کسی نوعیت سے حاکمیت کے انقسام کو تسلیم کرتی ہیں۔

أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنشِرُونَ ۔ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ (انبیاء)

کیا انھوں نے زمین کے الگ معبود ٹھہرا لیے ہیں کہ وہ پیدا کرتے ہیں۔ اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو یہ درہم برہم ہو جاتے، پس اللہ عرش کا مالک پاک ہے ان چیزوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

قُل لَّوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۔ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا (۴۲-۴۳- بنی اسرائیل)

کہہ دو اگر اس کے ساتھ اور بھی خدا ہوتے جیسا یہ کہتے ہیں تو وہ عرش والے سے منازعت کی راہ ڈھونڈتے۔ وہ پاک اور برتر ہے ان چیزوں سے جو یہ کہتے ہیں۔

۸۔ حق و باطل کی آویزش اور حق کا غلبہ

بعض قوموں کو خدا کی توحید بلکہ خود خدا کے باب میں بڑا سخت مغالطہ، دنیا میں شر و باطل کے وجود سے پیش آیا ہے۔ ان کی نظر باطل کے جھاگ پر جم گئی اور اس جھاگ کے نیچے جو حق کا مکھن تھا وہ ان کو نظر نہ آسکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ یا تو سرے سے کسی عزیز و رحیم اور پاک و قدوس خدا کے وجود ہی سے منکر ہو گئیں یا مانا تو یہ مانا کہ یہ دنیا بہت سے خوں آشام دیوتاؤں کی ایک لیلا ہے اور وہ اس کو پیدا کر کے، دور بیٹھے ہوئے، اس کے مصائب و شدائد اور اس کے دکھوں اور آفتوں کا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ یا پھر یہ کیا کہ خیر و شر اور نور و ظلمت کے الگ الگ خدا ٹھہرا لیے اور دنیا کو ان متضاد قوتوں کی ایک رزمگاہ بنا دیا۔ یہ غلط فہمی قوموں کو محض قلتِ تدبر، قلتِ صبر اور ظاہر بینی کی وجہ سے ہوئی۔ نہ انھوں نے اس دنیا کے اصلی مزاج و قوام کو پہچانا اور نہ حق و باطل کی آویزش کے اندر حق کے غلبہ کا مشاہدہ کیا۔ قرآن نے ان تمام اوہام کی نہایت تفصیل کے ساتھ تردید کی ہے۔ ہم اجمال کے ساتھ بعض حقائق کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ قرآن نے اس دنیا کے اصلی مزاج کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے:

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ (۱۷، رعد)

اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پس وادیاں ایک اندازہ کے ساتھ بہ نکلیں، پس سیلاب کے اوپر جھاگ ابھر آئی اور اسی طرح کی جھاگ اس چاندی میں ہوتی ہے جس کو آگ میں پگھلاتے ہیں زیور بنانے کے لیے یا کوئی اور سامان۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل کو ٹکراتا ہے، تو جھاگ اڑ جاتا ہے باقی جو لوگوں کے لیے نفع بخش ہے وہ زمین میں ٹک جاتا ہے۔ ایسی ہی اللہ تمثیلیں بیان کرتا ہے۔

یعنی اس دنیا کا اصلی مزاج یہ ہے کہ جس طرح ایک خوش مذاق اور سلیم الفطرت انسان مکھی کو ہضم نہیں کر سکتا اسی طرح یہ باطل کو نہیں ہضم کر سکتی۔ یہ ہر گوشہ میں باطل کو چھانٹتی رہتی ہے اور حق و نافع کو قبول کرتی ہے۔ بارش ہوتی ہے اور وادیاں بہ نکلتی ہیں تو تم دیکھتے ہو کہ پانی کی سطح پر جھاگ ابھر آئے

ہیں، پھر پانی زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور جھاگ خشک ہو کر ہوا میں اڑ جاتا ہے۔ اسی طرح تم چاندی کو زیور بنانے کے لیے کٹھالی میں پگھلاتے ہو، اس کا میل الگ ہو جاتا ہے اور خالص چاندی بچ رہتی ہے۔ یہی اس دنیا کا اصلی مزاج ہے۔ اس میں مجرد باطل کا وجود نہیں ہے۔ باطل جب بھی پایا جاتا ہے حق کے ساتھ مخلوط ہو کر جس طرح صالح درختوں اور صالح جانداروں کے ساتھ طفیلی پودے اور طفیلی کیڑے چمٹ جاتے ہیں اسی طرح حق کے ساتھ باطل چمٹ جاتا ہے۔ تم تنگ نظری کی وجہ سے ان طفیلی کیڑوں اور طفیلی پودوں ہی کو اصل سمجھنے لگتے ہو اور پھر قدرت کی زیادتیوں اور بے حکمتیوں پر معترض ہوتے ہو حالانکہ یہ اعتراض محض تمہاری بوالفضولی اور حماقت کا نتیجہ ہے۔ قدرت ہر گوشہ میں نہایت حکیم اور حق دوست ہے۔ اگر کسی مصنوع سے صانع کے مذاق و طبیعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو اس دنیا کے اس مزاج کو دیکھ کر نہایت آسانی سے ہم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ اس کائنات کا خالق حق ہے، حق کو پسند کرتا ہے اور اپنے کلمات سے حق کو قائم و ثابت کرتا ہے۔ یہی حقیقت ہے جو ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهْوًا لَاتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا إِنْ كُنَّا فَاعِلِينَ. بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ

(انبیاء)

اور ہم نے نہیں بنایا آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کرنے کے لیے۔ اگر ہم کھیل بنانا چاہتے تو اپنے پاس ہی سے بنا تے اگر ہم یہ کرنے والے ہی ہوتے۔ بلکہ ہم حق کو باطل پر مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجا نکال لیتا ہے اور باطل دفعتاً نابود ہو جاتا ہے اور تمہارے لیے ہلاکی ہو ان باتوں کے سبب سے

اس دنیا کے اندر جو مصائب و آلام ہیں وہ بھی اس امر کی دلیل نہیں ہیں کہ یہ دنیا مختلف المزاج دیوتاؤں کی رزمگاہ ہے۔ قرآن نے تمام آسائشوں اور تمام دکھوں کو ایک ہی حکیم و قدیر خدا کی مشیت و حکمت کے تحت، اور ان کو قوموں کے اخلاق و اعمال کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اور نہایت تفصیل کے ساتھ سمجھایا ہے کہ بعض مرتبہ یہ آفتیں اس لیے آتی ہیں کہ جو مغرورین اپنی سرکشی میں حد سے آگے بڑھ گئے ہیں وہ ان سے متنبہ ہوں اور اپنے ضعف و عجز کو محسوس کر کے خدا کی طرف لوٹیں۔ بعض مرتبہ ان کا ظہور اس لیے ہوتا ہے کہ کوئی سرکش قوم، جس پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہو چکی ہے، ان کے ذریعہ سے تباہ کر دی جائے۔ بعض حالات میں اہل حق بھی ان میں سے کچھ حصہ پاتے ہیں تاکہ ان کے ایمان و عقیدہ اور صبر و عزیمت کا امتحان ہو، کمزوریاں دور ہوں اور خوبیاں اور قابلیتیں بروئے کار آئیں۔ ان ساری باتوں کو قرآن حکیم نے مختلف اسلوبوں سے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ جس طرح رات اور دن، سردی اور گرمی دونوں اسی دنیا کے مادی بقا کے لیے یکساں ضروری ہیں اسی طرح نعمتوں اور خوشحالیوں کے ساتھ ساتھ آفات و آلام بھی اسی دنیا کی اخلاقی زندگی اور روحانی حیات کے لیے ناگزیر ہیں اور یہ ہرگز اس امر کا ثبوت نہیں ہیں کہ اس دنیا میں کون و فساد اور رحمت و نقمت کے الگ الگ دیوتا ہیں۔ صرف ایک ہی ہے جو منعم بھی ہے اور وہی منتقم بھی ہے اور اس کا یہ انتقام بھی درحقیقت اس کے انعام ہی کا ایک پہلو ہے جیسا کہ قرآن میں اس امر کو واضح فرمایا ہے۔

یہی حال گناہوں اور معاصی کا بھی ہے۔ یہ بھی خدا کی مشیت کے تحت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت جو انسان پر ہوئی ہے یعنی اختیار، یہ اسی کے ظلال میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی و بدی کی پہچان دے کر اس کا امتحان کیا ہے۔ یہ امتحان مقتضی ہوا کہ انسان کو فی الجملہ آزادی بخشی جائے۔ اس آزادی کی وجہ سے انسان نیکی و بدی دونوں کی راہیں اختیار کر سکتا ہے۔ پہلی راہ اس کی فطرت کی راہ ہے اور اس پر اس کا چلنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ دوسری راہ فطرت اور خدا سے بغاوت ہے اور اس پر چلنا اللہ تعالیٰ کو نہایت ناپسند ہے لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اس راہ پر چلنے کی بھی مہلت دیتا ہے کیونکہ اس مہلت کے بغیر آزادی کی نعمت بے معنی ہو جاتی۔ انسان کی یہ آزادی خدا کی بخشش اور اس کی مشیت کے تحت ہے اور یہ لازم نہیں ہے کہ جو بات

خدا کی مشیت کے تحت ہو وہ اس کو پسند بھی ہو۔ وہ اتمام حجت کے لیے ان کاموں کے لیے بھی لوگوں کو ڈھیلتا ہے جو صریحاً اس سے بغاوت کے حکم میں داخل ہوتے ہیں۔ پس خیر ہو یا شر کل اللہ ہی کی جانب سے ہے۔ کوئی چیز بھی اس کی مشیت اور اختیار کے دائرہ سے باہر نہیں ہے۔ پس نہ جبر محض کا دعویٰ صحیح ہے نہ اختیار مطلق کا۔ حق ان دونوں کے درمیان ہے اور تفصیل اس کی انشاء اللہ اپنے محل میں آئے گی۔

اوپر کی تفصیل سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس کائنات میں شر محض کا وجود نہیں ہے۔ شر حق کے ظلال کی حیثیت سے پایا جاتا ہے اور حق کی خدمت کے لیے ہے پس لازماً اس کائنات کا خالق حق ہے اور حق کو دوست رکھتا ہے۔ نیز یہیں سے یہ بات بھی آپ سے آپ نکل آئی کہ خیر و شر، نور و ظلمت، راحت و مصیبت، نیکی و بدی اور کون و فساد کے الگ الگ دیوتا نہیں ہیں، ایک ہی ہے جس کے تحتِ تصرف یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے۔

۹- اشارات اسی طرح توحید کی نہایت اہم دلیلیں ان لطیف اشارات (Suggestions) میں ملتی ہیں جو اس کائنات کے مختلف مظاہر میں مضمر ہیں۔ اور صرف ان کو نظر آتے ہیں جو باریک بین نظر اور عبرت پذیر قلب رکھتے ہیں۔ یہ قرآنی دلائل کی ایک مخصوص قسم ہے جو منطق کی گرفت سے بالکل بالا ہے اور اس سے وہ قومیں بہت کم فائدہ اٹھا سکتی ہیں جو استدلال و احتجاج کے مصنوعی طریقوں کی خوگر ہو کر استنباط و استنتاج اور اعتبار و تنبہ کا وہ فطری جوہر کھو بیٹھی ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ہر سلیم الفطرت انسان میں ودیعت فرمایا ہے۔ یہ جوہر صرف ان قوموں میں محفوظ رہتا ہے جو فطری سادگی پر قائم رہتی ہیں اور اس اعتبار سے تمام قوموں میں اہل عرب کو جو بلند مقام حاصل تھا وہ معلوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ نہایت ذکی الحس تھے اور اشاروں میں وہ سب کچھ پڑھ لیتے تھے جو دوسرے موٹی موٹی کتابوں میں بھی پڑھ کے نہیں سمجھ سکتے تھے۔ جو لوگ عرب کے خطباء و شعراء جاہلیت کے کلام پر نظر رکھتے ہیں وہ ان کے اس ذوق سے اچھی طرح واقف ہیں۔ وہ منزل یار کے ایک ایک مٹے ہوئے نقش کو کس طرح نمایاں کرتے ہیں، اس سے کس طرح متاثر ہوتے ہیں اور پھر اس کی عبرتوں اور اس کے مخفی اشاروں اور پیغاموں کی کیسی موثر تصویر کھینچتے ہیں کہ سننے والے کا دل بھی بھر آتا ہے! قرآن سے پہلے ان کا یہ ذوق نظر جس کے لیے عربی ادب میں صحیح لفظ توسّم ہے، صرف دیار یار کے آثار و اطلال تک محدود تھا اور لازماً اس کے اثرات بھی معمولی اور ادنیٰ درجہ کے تھے، قرآن نے ان کے اس ذوق کو شہ دی اور کائنات کے آثار و عجائب اور اس کے اشارات کی وسعتوں کی طرف توجہ دلائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو قوم زیادہ سے زیادہ امرؤ القیس اور زہیر کے درجہ کے اشخاص پیدا کر سکتی تھی اس کے اندر سے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق جیسی عظیم الشان ہستیاں اٹھیں۔

یہ اشارات قرآن کے تمام بنیادی مسائل توحید، رسالت، معاد کے سلسلہ میں نمایاں کیے گئے ہیں۔ یہاں سب کی تفصیل کا موقع نہیں ہے ہم صرف توحید کے متعلق ایک اشارہ کی توضیح کریں گے تاکہ یہ دوسرے اشارات پر غور کرنے کے لیے نمونہ کا کام دے۔[1]

سورۂ رعد میں فرمایا ہے

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا — اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، راضی خوشی

---

[1] اس کائنات کے اشارات حقیقت کی کوئی حد نہیں ہے۔ جس طرح ہم عیسائیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے گرجوں کی ہر چیز میں اپنے بنیادی عقائد کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ مثلاً اگر تثلیث پیش نظر ہے تو عمارت کے ایک ایک گوشہ سے تثلیث نمایاں ہوگی یہاں تک کہ فرنیچر کی قسم کی بھی جو چیزیں ہوں گی سب مثلث ہوں گی میز، قلمدان، قلم اور پیپر ویٹ تک سے تثلیث پکار رہی ہوگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر چیز میں توحید اور معاد کے حقائق کا مظاہرہ فرمایا ہے اور جس گوشہ پر بھی انسان تدبر کی نظر ڈالے وہیں سے اس کو توحید اور معاد کی کوئی نہ کوئی دلیل ہاتھ آجائے گی۔ اسی کو بعض عارفوں نے کہا ہے ہر ورقیست دفتر معرفت کردگار لیکن غافل انسان اتنے دلائل کے باوجود خدا کی توحید اور رحمت کے باب میں بھٹک رہا ہے۔
كَمْ مِنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الاية

وَكَرۡهٗا وَّظِلٰلُهُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ ـ قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ قُلِ اللّٰهُ (۱۵ - رعد)　اور مجبوراً اور ان کے سایے صبح و شام، پوچھو کون ہے آسمانوں اور زمین کا رب، کہو اللہ۔

"طوعًا وکرھًا" کا مطلب یہ ہے کہ جو اپنے اندرونی داعیہ سے خدا کو سجدہ کرتے ہیں وہ تو کرتے ہی ہیں لیکن جو اپنے اندرونی داعیہ سے خدا کے آگے نہیں جھکتے انہیں مجبوراً جھکنا پڑتا ہے۔ اور اس کے بعد اس مجبورانہ سجدہ کی شرح فرمادی کہ ان کے سایے صبح و شام خدا کا سجدہ بجالاتے ہیں اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا ہر شخص اپنے وجود کے اندر مشاہدہ کر رہا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر چیز کا سایہ آفتاب کے زوال کے ساتھ آفتاب کی بالکل مخالف سمت میں زمین پر اس طرح جھکنا شروع ہوتا ہے جس طرح ایک رکوع کرنے والا خدا کے آگے جھکتا ہے اور غروب آفتاب کے ساتھ یہ سایہ اس طرح زمین پر بچھ جاتا ہے جس طرح ایک ڈنڈوت کرنے والا اپنے معبود کے سامنے ڈنڈوت کرتا ہے یا ایک ساجد خدا کے حضور سجدہ کرتا ہے اور پھر ایک شب زندہ دار بندے کی طرح رات بھر اسی حالت میں پڑا رہتا ہے۔ پھر جب صبح ہوتی ہے یہ سایہ بالتدریج سورج کی مخالف سمت سے اٹھنا شروع ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ پورے قیام کی حالت میں آجاتا ہے جس طرح ایک مصلی سجدہ سے قیام کی حالت میں آگیا ہو۔ اور پھر سورج کے زوال کے ساتھ اسی رکوع اور سجود کا دور آجاتا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

یہ صورت حال دو نہایت اہم حقیقتوں کی شہادت دے رہی ہے۔ ایک یہ کہ اس کائنات کی ہر چیز چوبیس گھنٹے رکوع و سجود میں ہے۔ دوسری یہ کہ یہ سجدہ آفتاب پرستی کے بالکل ضد ہے۔ آفتاب جب مشرق سے طلوع ہوتا ہے، ہر چیز کا سجدہ مغرب کی طرف ہوتا ہے اور جب مغرب میں غروب ہونے لگتا ہے ہر چیز کا سجدہ مشرق کی طرف ہوتا ہے کسی وقت بھی کوئی چیز اپنے تکوینی سجدہ میں آفتاب کی موافقت نہیں کرتی۔ پھر اگر ایک انسان، جو ایک با اختیار مخلوق ہے، خدا کو سجدہ نہ کرے بلکہ اس کے سامنے اکڑے یا سورج اور چاند کو سجدہ کرے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ خود تو خدا کے سامنے اکڑتا ہے لیکن اس کے سارے وجود کا سایہ خدا کے آگے مفترش ہے یا وہ خود تو سورج اور چاند کے آگے سجدہ کر رہا ہے لیکن اس کا سایہ بالکل ابراہیمی فطرت رکھتا ہے جو کواکب پرستی سے بالکل بیزار اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ پر عامل ہے۔ عالم اختیار اور عالم تکوینی کی یہ بے ربطی من چہ می گویم و طنبورہ من چہ می سراید کی مصداق ہے۔

یہی دلیل ہے جس کو قرآن نے دوسری جگہ کسی قدر مختلف الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَیۡءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمۡ دٰخِرُوۡنَ (النحل - ۴۸)　کیا انھوں نے نہیں دیکھا ان چیزوں کی طرف جو خدا نے پیدا کی ہیں۔ لوٹتا ہے ان کا سایہ دہنے اور بائیں سے سجدہ کرتا ہوا اللہ کو اور وہ اس کے آگے ذلیل ہیں۔

قرآن میں اس طرح کے اشارات بہت ہیں اور ہر جگہ ان سے توحید، معاد، اور رسالت کے نہایت اہم حقائق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جو قومیں صغریٰ و کبریٰ کی ترتیب کے بغیر کوئی بات نہیں سمجھ سکتی ہیں، ان کے لیے بے شبہ ان اشارات کے اندر کوئی تعلیم نہیں ہے لیکن عرب جیسی حساس قوم اس طرح کے اشارات سے نہ صرف یہ کہ فائدہ اٹھاتی تھی بلکہ ان کی اصلی عقلی غذا ان اشارات ہی میں تھی۔ یہ چیز تربیت عقل کے لیے بھی نہایت نافع ہے اور تاثیر کے اعتبار سے تو اشارات کی زبان تصریحات کے مقابلہ میں ہمیشہ بلیغ تر سمجھی گئی ہے۔ ہم ہزاروں صفحات کی ورق گردانی سے بھی اپنے قلب پر وہ اثر نہیں طاری کر سکتے جو تغلق آباد اور دلی مرحوم کے کھنڈروں پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر کر سکتے ہیں۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ　　آثار پدیدا است صنادید عجم را